CC BY

yeISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

ڈاکٹر نازیہ یونس
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نمل اسلام آباد

Dr. Nazia Younis
Assistant Professor, Department of Urdu, NUML, Islamabad

ابراہیم جلیس کے افسانوں میں نو آبادیاتی اثرات کا تجزیہ

Analysis of Colonial Impacts in Abraham Jalis Fiction

Abstract:

Colonialism is the maintenance of Political, Social, Economic and cultural domination over people by a foreign power for an extended period. The long rule of the British Empire over most of North-America, parts of Africa and Sub-Contient is an example of colonial domination. Sub-continent was administered by colonical-rule for more than hundred years. Colonialism might have had culture breaking the natural unity of the sub continent inhabibant and starting new discourse which only spread confusion amoing the populace colonialism and its adverse effects on the society is one of the main subject of Urdu literature both in fiction and poetry. In fiction novels and specially short stories depicts the atrocities subjugation and exploitation of the ruling class. Short story writers like Sadar Hassan Manto, Rajindar Singh Baidi and Ibrahim Jalees. We can see colonialism and its effects on society in the short stories of Ibrahim Jalees like Chalees carore Behkari, Choor, Relief funds and others.

Key words: *Colonialism, East India Company, Post-Colonialism, Sub-contient, imperiorlism, ruling class, exploitation.*

جدید تاریخ میں نو آبادیات کی اصطلاح کو انگریزی میں Colonialism کہا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کا استعمال سب سے پہلے رومیوں نے کیا۔ نو آبادیت ایک ایسا نظام ہے جس میں ایک طاقتور ملک کسی کمزور ریاست پر اپنا عسکری، سیاسی، معاشی اور ثقافتی تسلط قائم کرتا ہے تا کہ مقامی آبادی کے وسائل اور افرادی قوت پر دسترس حاصل کر سکے۔ نو آبادیاتی نظام میں حکومتی امور کی نمائندگی کے اختیارات مقامی آبادی کو بہت کم دیے جاتے ہیں یا بالکل نہیں دیے جاتے اور صرف چند مخصوص لوگوں کو سامراجی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

"نو آبادیاتی صورتحال پیدا کرنے کے سبب کے پیچھے طاقت ور قوم کے غاصبانہ قبضہ کرنے کی ذہنیت کار فرما ہوتی ہے۔ نو آباد جب کسی قوم اور ملک کو اپنی نو آبدیات بنالیتا ہے تو وہاں کے رسم و رواج تہذیب و ثقافت، زبان و علیم پر اپنی گہری چھاپ کو بڑھاتا اور نو آبادیاتی باشندوں کو ہر حوالے سے مجبور و بے بس بنانا ہوتا ہے"[1]

نو آباد کاروں کو مقامی باشندے ہمیشہ ظالم اور غاصب سمجھتے ہیں مگر مغلوب ہونے کے باعث اس کے خلاف احتجاج نہیں کر سکتے۔ نو آباد کار، مقامی باشندوں کو احساسِ محرومی میں مبتلا کر کے اپنے اختیارات کا دائرہ وسیع کرتے چلے جاتے ہیں۔ برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی ایسا ہی کیا اور وہ اپنی اجارہ داری قائم کرنے میں کامیاب ہوئی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد روف رقم طراز ہیں۔

"انگریزوں کے سامنے فرانسیسیوں کے قدم نہ جم سکے اور انہیں بالآخر برطانوی کمپنی کے لیے میدان خالی چھوڑنا پڑا۔[2]

ہندوستان میں نو آبادیاتی نظام

نو آبادیاتی نظام میں تسلط قائم کرنا اصل مقصد ٹھہرتا ہے۔ برطانیہ نے بھی ہندوستان پر اپنا تسلط جمایا اور نو آبادیاتی نظام قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ برطانیہ، ہندوستان کو اپنی نو آبادی اس لیے بنانا چاہتا تھا کیونکہ ہندوستان میں معدنی اور قدرتی وسائل کی کثرت اور خام مال کی بہتات تھی اور ہندوستان کی زمین ذرخیزی اور زرعی اجناس کی پیداوار میں اپنی مثال آپ تھی مگر ہندوستان میں مرکزی حکومت حکمرانوں کی ناچاقی کے باعث کمزور ہو چکی تھی۔

ڈاکٹر محمد روؤف اس صورت حال کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"نو آبادیاتی دور میں لوگ استحصال کی چکی میں پس رہے ہیں غریب ابھی بھی غریب ہے"۔[3]

فوجی صلاحیتوں کو بڑھانے کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر تھی اور جدید ہتھیاروں کے فقدان کے باعث فوجی قوت محدود ہو چکی تھی۔ پہلے پہل برطانیہ نے تجارت کی غرض سے ہندوستان کے ساحلی علاقوں پر قدم جمانے شروع کیے۔ 1600ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو تجارتی اور کاروباری مواقع کی تلاش کے لیے تشکیل دیا گیا۔ ملکہِ برطانیہ الزبتھ اول کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان سے تجارت کرنے کا اجازت نامہ ملا۔ کمپنی کے پاس جدید اسلحہ اور کثیر فوج موجود تھی جو صرف دفاعی ضروریات کے تحت فراہم کی گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی چونکہ ایک تجارتی کمپنی تھی اس لیے اس کے مقاصد بھی خالصتاً تجارتی نوعت کے تھے مگر کروم ویل(Crom well) نے کمپنی کے اختیارات کو وسیع کرتے ہوئے اسے یہ حق بھی دے دیا کہ وہ اپنی فوج کو دفاع کے ساتھ ساتھ حملے کے لیے بھی استعمال کر سکتی ہے اور کمپنی نے ان اختیارات کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔

اس وقت ہندوستان میں چھوٹی چھوٹی علاقائی ریاستیں قائم تھی۔ ان ریاستوں کے حکمران باہمی خانہ جنگی میں مصروف تھے جس کی وجہ سے ان کی توجہ بیرونی خطروں کی طرف مبذول نہ ہوئی۔ مغلیہ سلطنت کا زوال ہی دراصل ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کی بنیاد بنا۔ جیسے جیسے کمپنی کے اختیارات وسیع ہوتے گئے ویسے ویسے مغلیہ حکومت کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی اور بالآخر اپنے اختتام کو پہنچی۔ 1800ء میں لارڈ ولزلی کی کوششوں سے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد انگریز افسران کے لیے اردو زبان کو سیکھنے کے لیے آسان اور عام فہم بنانا تھا۔ انگریزوں کا اردو سیکھنے اور سیکھانے کا مقصد بنیادی طور پر یہ تھا کہ وہ اس مقامی زبان کو سیکھ کر بہتر طور پر ہندوستان کا حکومتی نظام چلا سکیں۔ اس مقصد کے لیے بہت سی داستانوں کے اردو تراجم ہوئے مثلاً سب رس، باغ و بہار، رانی کیت کی، توتا کہانی، آرائشِ محفل اور فسانہ عجائب وغیرہ۔

اردو کو جب فروغ ملنے لگا تو اردو اخبارات کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ اردو کے علاوہ فارسی، انگریزی اور مقامی زبانوں میں بھی اخبارات جاری ہوئے۔ چناچہ اخبارات اور رسائل کے ذریعے ہندوستان کے لوگوں میں سیاسی، معاشرتی اور معاشی شعور بیدار کرنے کی کوشش کی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا یہ کہ ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف بہت شکوک و شبہات پیدا ہو چکے تھے اور وہ اِن کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے اور ان کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ اُن کی یہ نفرت بغاوت بن کر 1857ء میں آزادی کی جنگ کی صورت میں سامنے آئی مگر آزادی کے حصول کی یہ کوشش ناکام ہو گئی اور اس کوشش کے نتیجے میں ہندوستانیوں کو پہلے سے زیادہ سختیاں اور تکلیفیں جھیلنا پڑیں۔ اقتدار کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی شان و شوکت بھی ختم ہو گئی اور وہ زندگی کے ہر شعبے میں تنزّلی کا شکار ہوتے گئے۔

برطانوی حکومت نے نہ صرف ہندوستان کے لوگوں کو ذہنی طور پر غلام بنایا بلکہ اُن کی جائدادیں بھی ضبط کر لیں۔ برطانوی حکومت نے اپنے ذاتی مفادات کے حصول کے لیے ہندو مسلم قوم میں باہمی نفاق پیدا کرنے کے لیے ہندوؤں کو نوکریوں میں بڑے عہدوں سے نوازا تاکہ مسلمان احساسِ کمتری کا شکار ہو کر پسماندگی کا شکار ہو جائیں جس کا نتیجہ اس طرح سامنے آیا کہ ہندو مسلم قدیم روایات کو بھول کر ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔

اردو ادب پر نو آبادیاتی نظام کے اثرات

نو آبادکار نہ صرف وسائل پر قبضہ کر کے اس علاقے کے معاشی، معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی حالات پر غالب آجاتے ہیں بلکہ اس علاقے کے ادب پر بھی دور رس اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ادب کی اصناف، موضوعات، نظریات اور الفاظ و تراکیب پر نو آبادیاتی نظام کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ محمد علی صدیقی کہتے ہیں کہ ادب پر اثرات میں سب سے پہلے سیاسی نو آبادیاتی نظام کے جلو میں ادبی نو آبادیاتی نظام نے بھی محکوم اقوام کے احساسِ کمتری میں شدت پیدا کی اور خصوصیت کے ساتھ مشرق میں وہ اتھل پتھل شروع ہوئی کہ

ہم مغربی روح، مزاج، نظریہ کائنات اور نسلی یادوں کا ساتھ دیے بغیر ان کے استعارات، تشبیہات اور علامتوں کو اپنے 'حرفِ خاص' کی طرح گردانے لگے۔

ادب خواہ کسی بھی دور کا ہو یا کسی بھی علاقے کا اپنے دور کے حالات واقعات کا عکاس ہوتا ہے۔ جیسے اس دور یا عہد کے تمام لوگ ملکی، معاشرتی، معاشی حالات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ادیب بھی اس دور کے حالات و واقعات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کی تخلیق اس عہد کے حالات، واقعات، نظریات، رسمیات اور نقطہ ہائے نظر کی عکاس ہوتی ہے اور پھر یہ ادب تاریخ کا حصّہ بن جاتا ہے اور آنے والے ادوار اور لوگوں کا اُس دور کے حالات و واقعات کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم ہندوستانی ادب کا مطالعہ نو آبادیاتی نظام کے تناظر میں کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کا ادب بھی اس دور کے حالات و واقعات اور نظریات کی ایک جھلک پیش کرتا ہے اور ہندوستان کے لوگوں کے مصائب و مسائل اور بے بسی کی داستان سناتا ہے یا بیان کرتا ہے۔

تحریکِ آزادی کے آغاز سے لے کر پاکستان کے قیام تک ہندوستان کے لوگوں کو بڑے حادثات، واقعات اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑا جو ہندوستان کی تاریخ کا ایک ایسا المیہ ہے جس سے ملک میں ہر طرف تباہی و بربادی اور قتل و غارت عام ہو گئی تھی اس تباہی نے ہر طبقے کو یکساں متاثر کیا۔ تقسیمِ وطن کے ایسے دردناک اور المناک واقعات رونما ہوئے جنہوں نے ادیبوں اور شاعروں کی سوچ اور فکر کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ ادب پر اس کے گہرے نقوش چھوڑے۔ 1957ء کی پہلی جنگِ آزادی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے سیاسی و معاشرتی مسائل نے بہت سی تحریکوں کو جنم دیا جن میں علی گڑھ تحریک بھی قابلِ ذکر ہے جس نے اردو ادب کو نئے خیالات اور نئی اصناف سے متعارف کروایا اور ایک نئی راہ پر گامزن کیا لیکن اس کے فوراً بعد رومانوی تحریک نے جنم لیا۔ رومانوی تحریک کو علی گڑھ تحریک کے ردِ عمل کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ اپنی تخلیقی قوت کے ذریعے ادیبوں اور شعرا نے باغیانہ خیالات کے اظہار کے لیے ادب کا راستہ اختیار کیا۔ اس سلسلے میں افسانوں کی ایک کتاب "انگارے" 1932ء میں منظرِ عام پر آئی۔ اس کے بعد بیسویں صدی کے آغاز میں شاعری اور نثر دونوں رومانوی تحریک کے اثرات نمایاں نظر آنے لگے چونکہ اس وقت کانگرس کی قیادت سیاسی سطح پر آزادی کی طرف قدم بڑھا رہی تھی تو ایسی سیاسی صورتحال میں وطن کی محبت، قومی اتحاد اور آزادی کی خواہش کے جذبات بڑھنے لگے اور رومانوی تحریک کی صورت میں نثری اصناف میں اضافہ ہوا۔ سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، قاضی عبد الغفار، مہدی افادی اور سجاد انصاری اس تحریک کے علم بردار تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز کو رومانیت کا دور کہا جا سکتا ہے اس دور میں رومانیت اور حقیقت نگاری دو الگ الگ تحریکیں تھیں جن کے آپس میں مل جانے سے ترقی پسند تحریک کو فروغ ملا۔ ترقی پسند تحریک کا باقاعدہ آغاز 1935ء میں لکھنؤ میں ہوا جس کی صدارت پریم چند نے کی۔ ترقی پسند تحریک نے کمیونزم کی حمایت کی۔ ان کے نزدیک غیر ملکی سامراج سے آزادی حاصل کرنا ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے لیے ضروری تھا۔ ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں نے آزادی میں سرگرم تحریکوں کی حمایت کی اور اپنی تخلیقات میں اپنے جذبات کا بلا خوف و خطر اظہار کیا۔ شاعروں میں علی سردار جعفری، اسرار الحق مجاز، فیض احمد فیض وغیرہ نے اس موضوع پر قلم

اٹھایا اور ادیبوں میں سعادت حسن منٹو، انتظار حسین، کرشن چندر اور راجندر سنگھ بیدی وغیرہ کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سعادت حسن منٹو کا نام ان میں خاص طور پر اہمیت کا حامل ہے کیونکہ انہوں نے ان حالات وواقعات کو قریب سے دیکھا اور محسوس کیا اور ان موضوعات کو اپنی کہانیوں میں مخصوص انداز کے ساتھ پیش کیا۔ اس دور میں لکھے جانے والے ادب میں نو آبادیاتی نظام کے اثرات کی نمایاں جھلک ملتی ہے۔ نو آبادیات کے اثرات کے تحت ہونے والے فسادات پر قلم اٹھانے والوں میں بہت سے افسانہ نگار اور ناول نگار شامل ہیں جنہوں نے اپنی تخلیقات میں ان فسادات سے پیدا ہونے والے مسائل کی دردناک تصویریں پیش کی ہیں۔ افسانہ نگاروں میں سعادت حسن منٹو کے افسانے ٹوبہ ٹیک سنگ، تماشہ، دیوانہ شاعر، سٹوڈنت یونین، کھول دو ٹھنڈا گوشت اور موذیل شامل ہیں۔ نو آبادیاتی نظام کے استحصال میں لکھا جانے والا افسانہ نیا قانون خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جس میں نو آبادیاتی نظام کے خلاف مزاحمت اور انقلاب کے شعلے بلند ہوتے نظر آتے ہیں۔ کرشن چندر کے افسانوں میں نو آبادیات کے حوالے سے لازوال افسانہ "اَن داتا" ایک اعلیٰ تخلیقی فن پارہ ہے۔ اس میں ہندوستان کے تین طبقوں کی عکاسی کی گئی ہے پہلا طبقہ ہندوستانی بیوروکریسی اور انگریزوں کا ہے جو قحطِ بنگال سے بے غرض رقص وسرور کی محفلوں میں مگن ہیں انہیں بنگال میں برپا قیامت سے کسی بھی قسم کی کوئی غرض نہیں۔ دوسرا طبقہ متوسط طبقہ ہے جو حیلے بہانے کر کے کسی نہ کسی طریقے سے اپنے سماجی اور ملکی فرائض سے سبکدوش ہونے کی کوشش میں لگا ہے اور تیسرا طبقہ ان انسانوں پر مشتمل ہے جو قحط کے آسیب کا شکار ہیں جن کی آنکھوں میں زندگی کی رمق باقی نہیں رہی اور نہ ان کے جسموں پر گوشت نظر آتا ہے۔ اسی طرح راجندر سنگھ بیدی کا افسانہ "غلامی" بھی نو آبادیاتی اثرات کا آئینہ ہے اس میں معاشرتی رسم ورواج کی غلامی کے ساتھ ساتھ انگریزوں کی غلامی کا بھی ذکر کیا گیا ہے اس میں مختلف طبقات سے انگریزوں کا امتیازانہ سلوک بیان کیا گیا ہے۔ انگریز حکمرانوں کا رویہ باقی ہندوستانی طبقے کی نسبت اُن ہندوستانیوں سے نرم تھا جو سرکاری ملازمتوں سے وابستہ تھے اور وہ لوگ غیر ملکی افسران کے ساتھ کام کرنا زیادہ پسند کرتے تھے اور مرزا ادیب کے افسانوں میں بھی نو آبادیاتی نظام کے خلاف حریت پسندانہ خیالات ملتے ہیں۔ وہ مفلسی، غریبی اور ذہنی زوال کو غلامی کی دین سمجھتے ہیں۔ اُن کے افسانوں میں طوفانِ حوادث اور نئے انسان شامل ہیں۔ ہاجرہ مسرور کے افسانوں میں بھی ہندوستان کے نو آبادیاتی نظام اور غلامانہ استحصال کا ذکر ملتا ہے۔ اُن کے افسانوں میں سیاسی اور تاریخی شعور کا با آواز بلند اظہار نظر آتا ہے۔ ان کا افسانہ "بڑے انسان بنے بیٹھے ہو؟" میں سیاست دانوں کی گھٹیا چالوں، عورتوں کی عصمت دری، ہندو مسلم کی باہمی نفرت اور قحطِ بنگال کے واقعات سڑک پر نصب ایک بلب کی زبانی بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں ہاجرہ کا لہجہ طنزیہ معلوم ہوتا ہے۔ جب برقی قمقموں کے نیچے لوگ فاقوں سے مرنے لگے اور قحطِ بنگال کے سبب سڑک افلاس زدہ لاشوں سے بھر گئیں جن میں ظلم کرنے والے بھی انسان ہی ہیں اور ظلم سہنے والے بھی یعنی انسان ہی انسان کو ان حالات میں دھکیلنے والے ہیں یعنی وہ بھی انسان ہی ہیں جو بھوک کو جنم دے رہے ہیں اور بے بسوں کی عصمت دری کرنے والے ہاتھ بھی انسان کے ہی ہیں۔ انہوں نے اپنے اس افسانے میں

انسانیت کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے اور ایسے طنزیہ الفاظ استعمال کیے ہیں جو سوئے ہوئے ضمیروں کو جگانے کا کام کرتے ہیں۔ ہمارے ادب میں نو آبادیاتی اثرات کے ساتھ ساتھ مابعد نو آبادیاتی اثرات بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ناصر عباس نیئر نے اس بارے میں کہتے ہیں:

"مابعد نو آبادیاتی مطالعہ نو آبادیاتی تاریخ کے مستند بیانیوں کی اہمیت اس کے ساتھ تسلیم کرتا ہے کہ یہ بیانیے ثقافتی مطالعے کے سائے کا کام دے سکیں طاقت کے رشتوں کو سمجھنے کی بنیاد بن سکیں۔[4]

ابراہیم جلیس کا تعارف

ابراہیم جلیس حیدر آباد دکن میں 1924ء پیدا ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ 1948ء میں پاکستان آ گئے یہاں وہ اخبارات سے وابستہ رہے جن میں جنگ، انجام، امروز، حریت اور مساوات شامل ہیں۔ وہ کچھ عرصہ روزنامہ انجام کے مدیر بھی رہے انہوں نے عوامی عدالت کے نام سے اپنا ایک ہفت روزہ بھی جاری کیا اور روزنامہ مساوات کے مدیر بھی رہے۔ روزنامہ مساوات مارشل لا لگنے کی وجہ سے حکومت کے زیرِ عتاب آ گیا۔

اُن کا پہلا افسانہ "رشتہ" فروری 1943ء میں ساقی میں شائع ہوا۔ انہوں نے متعدد کتب تحریر کیں جن میں آسمان کے باشندے، اُلٹی قبر، زرد چہرے، چالیس کروڑ بھکاری، دو ملک ایک کہانی، نیکی کر تھانے جا، ہنسے اور پھنسے، جیل کے دن جیل کی راتیں، سیفٹی ریزر کے ساتھ ساتھ روس، چین اور امریکہ کے سفر نامے اور ایک سٹیج ڈرامہ اجالے کے پہلے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ انہوں نے 1977ء میں وفات پائی۔ ابراہیم جلیس کے انتقال کے بعد 14 اگست 1989ء کو حکومتِ پاکستان نے ان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں بعد از مرگ تمغہ حسنِ کارکردگی عطا کیا۔

ابراہیم جلیس کے افسانوں میں نو آبادیات کے اثرات

ابراہیم جلیس کی تصانیف کا مجموعی طور پر جائزہ لینے کے بعد پتا چلتا ہے کہ اُن کی تمام تصانیف میں کسی نہ کسی طور پر نو آبادیاتی نظام کے اثرات کی جھلک ملتی ہے اور ان کے افسانوں پر بھی نو آبادیاتی نظام کے گہرے اثرات موجود ہیں۔

1۔ چالیس کروڑ بھکاری:

افسانہ "چالیس کروڑ بھکاری" افسانوی مجموعے "چالیس کروڑ بھکاری" کا پہلا افسانہ ہے۔ اس میں کُل 14 افسانے شامل ہیں۔ اس افسانے کا عنوان گہری معنویت کا حامل ہے اس میں نو آبادیاتی نظام کے اثرات سے استحصال شدہ ہندوستانی عوام کی مفلسی اور پسماندگی کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار ہندوستان کا ایک لمبا تڑنگا نوجوان ماجد ہے۔ جو بی-اے پاس ہونے کے باوجود بے روزگار ہے۔ وہ مفلسی اور غربت کا شکار ہو کر بہت بار خودکشی کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ جان ولف نیویارک میں رہتا ہے اور وہ وہاں پر موجود ہندوستانیوں کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے:

"بعض ہندوستانیوں کو اس نے یورپ کی یونیورسٹیوں، ہوٹلوں، ریستورانوں، قحبہ خانوں اور ریل گاڑیوں میں دیکھا تھا جو امریکیوں اور انگریزوں کی طرح کپڑے پہننے لگے تھے ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولتے ہوئے مضحکہ خیز لہجے سن سن کر وہ اپنی بیوی سے کہتا ـــــــ صرف دم کی کسر باقی ہے"(5)

جان ولف نیویارک کا ایک بینکر ہے جس کی حال ہی میں فش سے شادی ہوئی ہے اور وہ اپنی بیوی کی ضد پر اسے ہندوستان تاج محل دکھانے کے لیے لے کر آتا ہے۔ یہاں ماجد ایک ہندوستانی گائیڈ کی حیثیت سے اُن کی رہنمائی کرتا ہے۔ ماجد اُن لوگوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے مظالم اور حکومتِ برطانیہ کے اقتدار اور جنگِ آزادی کے بعد کے ہندوستانیوں کے حالاتِ زندگی اور بے بسی کی تصویر دکھانا چاہتا ہے۔ وہ فش اور جان ولف سے اصرار کرتا ہے کہ وہ دونوں تاج محل دیکھنے سے پہلے ایک بار اُس کا گھر دیکھ لیں کیونکہ اسے لگتا ہے کہ اس کا گھر دیکھنے کے بعد انہیں ہندوستان کے بیس کروڑ گھر دیکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ اس کے گھر کی خستہ حالی، مفلسی، پسماندگی اور تاریکی پورے ہندوستان کے بیس کروڑ گھروں کی عکاسی کرتی ہے۔ فش اور ولف اندھیری گلیوں اور تنگ راستوں سے گزرتے ہوئے ماجد کے گھر جاتے ہیں تو اس کے گھر کی خستہ حالی اور غربت کو وہ اپنے شایانِ شان نہیں سمجھتے اور اس کی غربت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس موقع پر ماجد کے بولے گئے الفاظ نو آبادیاتی نظام کے اثرات اور 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد کے ہندوستان کی ایک تصویر پیش کرتے ہیں:

"میں نہیں کہتا کہ وہ چیزیں دیکھنے کی نہیں ہیں لیکن وہ سب عمارتیں پرانے ہندوستان کی پرانی فن کاری کے نمونے ہیں لیکن جس دن ہندوستان کا بادشاہ رنگون کے قید خانے میں مر گیا اسی سن پرانا ہندوستان بھی مر گیا اس کے بعد ایک نیا ہندوستان جنم لیتا ہے۔"(6)

درج بالا اقتباس میں برطانوی حکومت کے ان مظالم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر پر کیے گئے۔ ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا گیا اور ان کو گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا گیا اور بہادر شاہ ظفر کی موت کے ساتھ ہی پرانا ہندوستان بھی دم توڑ گیا یعنی ہندوستان کی تہذیب اور ثقافت زوال کا شکار ہو گئی۔ یہاں نئے ہندوستان سے مراد وہ ہندوستان ہے جس میں برطانوی حکومت برسر اقتدار آچکی ہے اور ہندوستان کے لوگ مکمل طور پر محکوم ہو کر مفلسی، لاچاری اور بے بسی کا شکار ہو چکے ہیں۔ اس افسانے میں جگہ جگہ نو آبادیات کے اثرات سے متاثر لوگ دکھائی دیتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں:

"ہندوستان ہندوستانیوں کے لئے چھوڑ دو ہندوستان دیدو! آزادی دیدو۔"(7)

اس اقتباس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ برطانوی نظامِ حکومت میں عام لوگوں کی زندگی بھکاریوں کے برابر تھی اور لوگ آزادی کی نعمت اور اپنے پیٹ بھرنے دونوں کے فکر مند تھے لیکن بعض لوگوں کو حالات نے بھیک مانگنے پر موجود کر دیا اور وہاں لوگوں کو

اپنی جن کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ بھوک مٹانے کو آزادی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس افسانے میں ابراہیم جلیس نے جنگِ آزادی 1857ء کے بعد کے حالات اور معاشرے کی اس طرح عکاسی کی ہے کہ ان میں نو آبادیات کے اثرات کا عنصر نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

2۔ چُور:

ابراہیم جلیس کا یہ افسانہ "چُور" اُن کے افسانوی مجموعے "زرد چہرے" میں شامل ہے۔ اس افسانوی مجموعے میں پندرہ افسانے شامل ہیں۔ افسانہ چُور قحطِ بنگال کے سبب پیش آنے والے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ قحطِ بنگال انگریز حکمرانوں ہی کہ غلط پالیسیوں اور گھٹیا چالوں کا نتیجہ تھا۔ انگریز حکومت نے جان بوجھ کر لاکھوں ہندوستانیوں کو بھوکا مرنے دیا۔ اس قحط میں تیس لاکھ سے زیادہ لوگ مارے گئے۔ برطانوی حکومت نے چاول کی درآمد روک دی اور چاول کی قلت کی وجہ سے قیمتیں آسمان تک پہنچ گئیں۔ قحطِ بنگال برطانوی راج کی تاریخ کا ایک تاریک باب ہے یہ افسانہ نو آبادیات کے اثرات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ابراہیم جلیس نے نو آبادیاتی نظام کے ایک جزو کی عکاسی اپنے افسانے چُور میں کی ہے۔

ویسے تو یہ کہانی ہر اُس عورت یا لڑکی کی ہے جو اس کرب اور درد سے گزری ہے مگر ابراہیم جلیس نے جس لڑکی کو اس کہانی کا مرکزی کردار بنایا ہے اس کا نام رانی ہے جو اپنے گیارہ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہے۔ قحطِ بنگال کے سبب فاقوں کا شکار ہونے والے گھروں میں ایک گھر رانی کا بھی ہے چونکہ رانی سب سے بڑی ہے اس لیے وہ اپنے ماں باپ کے لیے آس اور اُمید کا ذریعہ ہے۔ وہ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کی بھوک مٹانے کے لیے خود کسی کی بھوک کا لقمہ بن جاتی ہے۔ اس افسانے میں قحطِ بنگال کے سبب بھوک سے مرتے ہوئے لوگوں کی بے بسی اور لاچاری اس حد تک دکھائی گئی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو عصمت فروشی کے لیے مجبور کر دیتے ہیں کہ کہیں وہ لوگ فاقہ کشی کی وجہ سے جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔ افسانے کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

> "بوڑھے باپ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا چل بیٹی ___ اب چلیں۔ رانی کا جی چاہا کہ اپنے باپ کا ہاتھ بڑی ذلت سے جھٹک دے مگر نقاہت سے وہ نیلی رگوں کے جال میں پھنسی ہوئی تھی۔ اسی لیے چُپ چاپ اپنی ساڑھی کے پلو میں سے ہاتھ بڑھا کر چاندی کے پانچ سِکے اپنے باپ کی ہتھیلی میں تھما دیے۔"(8)

اس افسانے میں رانی کا منگیتر چندر جب شہر سے واپس آتا ہے تو اسے رانی پر ٹوٹنے والی قیامت کے بارے میں خبر نہیں ہوتی وہ رانی اور اس کے گھر والوں کو بتاتا ہے کہ اسے اچھی نوکری مل گئی ہے اور ان کو اپنے ساتھ کلکتہ لے آتا ہے مگر رانی کے چہرے پر اداسی اور خاموشی اسے پریشان رکھتی ہے۔ اس کے دل میں ایک انجانا خوف رہتا ہے کہ رانی کو اس کے کام کے بارے میں پتا نہ چل جائے۔

> "بتانے والی بات ہوتی تو بتا بھی دیتا ___ سیٹھ نے بنگال کے قحط سے فائدہ اٹھا کر خفیہ طور پر بھوکی عورتوں کی تجارت شروع کر دی تھی۔ وہ اس تجارت میں سیٹھ صاحب کا بہ حیثیت ایک کمیشن ایجنٹ تھا۔ اس نے اب

تک کوئی تین ساڑھے تین سو کنواری، بیاہی، ادھیڑ عمر، کالی، گوری، موٹی، دبلی، خوبصورت، بد صورت عورتوں کو سیٹھ کے ہاتھ معقول کمیشن بیچا تھا۔"(9)

مگر کہانی اچانک ایک نیا موڑ لیتی ہے جب اچانک رانی کی طبیعت خراب ہونے پر چندر ایک ڈاکٹر کو گھر لے آتا ہے تو اُسے پتا چلتا ہے کہ رانی حاملہ ہے۔ یہ سننے کے بعد چندر کو لگتا ہے کہ اس کیے ہوئے گناہ اس کے اگے آ گئے ہیں اور اسے اپنے گناہوں پر ندامت اور شرمندگی محسوس ہوتی ہے اور وہ رانی کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

اس افسانے میں نو آبادیاتی نظام کے تحت پیش آنے والے قحطِ بنگال اور اس کا شکار ہونے والے لوگوں کی زندگیوں پر اُس کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مگر اس افسانے کا اختتام نہایت ہی دردناک انداز میں کیا گیا ہے۔ سڑک پر سسکتی اور آخری سانسیں لیتی رانی جب چندر کو دکھائی دیتی ہے تو اس کی حالت قحط کے باعث قابلِ ترس اور دردناک ہوتی ہے۔ وہ اور اس کا بچہ سڑک پر افلاس زدہ لاشوں میں پڑے ملتے ہیں۔ اس کا بچہ تو فاقوں کا شکار ہو کر مر چکا ہوتا ہے جبکہ رانی آخری سانسیں لیتی ہوئی چندر کو پکار رہی ہوتی ہے۔ یہ صرف اس کہانی کا دردناک انجام نہیں بلکہ اُن سینکڑوں لوگوں کی کہانی کا انجام ہے جو قحطِ بنگال کا شکار ہو کر مر گئے۔ اس دردناک انجام کے پیچھے ہمیں برطانوی حکومت کی گھٹیا چالیں اور کارفرمائی نظر آتی ہے جس کی وجہ سے لاکھوں معصوم لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس قحط کے اثرات صرف ہندوستانی عوام کی زندگیوں پر پڑے جبکہ سامراجی طاقتیں اس عفریت سے کوسوں دور رہیں۔

3۔ ریلیف فنڈ:

یہ افسانہ بھی ابراہیم جلیس کے افسانوی مجموعے "زرد چہرے" میں شامل ہے۔ اس افسانے میں بھی نو آبادیاتی نظام کے اثرات قحطِ بنگال کی صورت میں پیدا ہونے والے حالات اور واقعات میں دکھائی دیتے ہیں۔ قحطِ بنگال کے اثرات بنگال کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اس افسانے میں ایک نوجوان کا کردار مرکزی کردار ہے جو قحط کا شکار ہونے والے لوگوں کے لیے ریلیف فنڈ اکٹھا کر رہا ہوتا ہے۔ بارش کے سبب وہ ایک تین منزلہ گھر کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے جہاں اسے گھر کی تیسری منزل پر ایک لڑکی دکھائی دیتی ہے جو آنسو بہاتے ہوئے گانا گا رہی ہوتی ہے کہ اتنے میں اسے ایک بوڑھی عورت بیٹا کہہ کہ بلاتی ہے اور اسے بارش میں بھیگنے کی بجائے اپنے گھر آنے کا کہتی ہے۔ بوڑھی عورت نوجوان کو باتوں باتوں میں اپنے حالات کے بارے میں بتاتی ہے کہ اس کے دو جوان بیٹے تھے جو فوج میں بھرتی ہونے کے بعد ایک بار بھی واپس نہیں آئے۔ پہلے تو دو سال تک خط اور منی آرڈر آ جاتے تھے مگر چھے مہینے سے ان کی کوئی خبر نہیں آئی۔ اس کی پانچ بیٹیاں جن میں سے سب سے بڑی خورشیدہ بیاہ ہونے کے بعد بھی اپنی ماں کے گھر آ چکی ہے۔ اس افسانے میں برطانوی نظامِ حکومت کے بعد ہندوستان کے معاشرتی اور معاشی حالات دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نو آبادیاتی نظام کے جو اثرات ہندوستانی معاشرے پر پڑے ہیں ان حالات کا شکار ہونے والے خاندانوں میں بڑھیا کا خاندان بھی ہے جس کو مثال بنا کر ہندوستان کے لوگوں کی بے بسی اور بے چارگی کی تصویر پیش کی گئی ہے۔

نوجوان بارش رکنے کے بعد جب وہاں سے جانے کی بات کرتا ہے تو بڑھیا اس سے کہتی ہے کہ اگر ہو سکے تو اس کی مدد کرے تو وہ بنگال ریلیف فنڈ کے پانچ روپوں میں سے ایک روپیہ نکال کر بڑھیا کو دے دیتا ہے۔ وہ نوجوان اپنی پارٹی کے لوگوں کو بتاتا ہے:

"میں کہتا ہوں کہ بنگال اب سارے ہندوستان میں پھیل گیا ہے۔ ابھی ابھی میں بنگال سے آرہا ہوں میں نے حیدر آباد میں بنگال دیکھا ہے۔"(10)

قحطِ بنگال کے اثرات پورے ہندوستان میں پھیل گئے تھے۔ اس قحط سے نہ صرف بنگال متاثر ہوا تھا بلکہ ہندوستان کے باقی علاقوں میں بھی اس کا گہرا اثر پڑا تھا۔ اس افسانے میں نو آبادیات کے اثرات ہندوستانی معاشرے میں واضح دکھائی دیتے ہیں۔ اس افسانے میں ہندوستان کے ایک گھر کی نہیں بلکہ تمام اُن گھروں کی عکاسی کی گئی ہے جو برطانوی نظامِ حکومت کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے افلاس زدہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اُن کی مالی و معاشرتی حالت اس قدر بدتر ہو گئی تھی کہ وہ بھیک مانگنے کو بھی عیب یا برا نہیں تصور کر رہے تھے۔ غرض کہ برطانوی نو آبادیاتی نظام نے پورے ہندوستان کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی حالات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ افسانہ نو آبادیاتی نظام کے اثرات کی عکاسی کرتا ہے۔

ابراہیم جلیس کے افسانوں کا عمومی جائزہ لیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اُن کے افسانوں میں نو آبادیاتی نظام کے اثرات ہیں۔ انہوں نے 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد کے حالات اور واقعات جیسے موضوعات کو اپنے افسانوں میں برتا ہے۔ اُن کے افسانوں کا بغور مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے انسانوں کے درد، بے بسی اور لاچاری کو بہت قریب سے نہ صرف محسوس کیا ہے بلکہ اس کا اظہار اپنے افسانوں اور دیگر تصانیف میں بھی کیا ہے۔ انہوں نے نو آبادیاتی نظام سے استحصال شدہ ہندوستانی لوگوں کی مفلسی اور پسماندگی کو اپنے افسانوں میں پیش کیا۔

حوالہ جات

1۔ محمد اشرف کمال، "تنقیدی تھیوری اور اصطلاحات" مثال پبلی کیشنز، فیصل آباد، 2016ء، ص106

2۔ محمد رؤف ڈاکٹر، "اردو غزل مابعد نو آبادیاتی مطالعہ"، روہی بکس، فیصل آباد، 2015ء، ص118

3۔ ایضاً

4۔ ناصر عباس نیئر، "مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں"، اکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، 2013ء، ص10

5۔ ابراہیم جلیس، "چالیس کروڑ بھکاری"، اعظم پریس، نفیس اکیڈمی، حیدر آباد دکن، 1945ء، ص10

6۔ ایضا، ص29

7۔ ایضا، ص53

8۔ ابراہیم جلیس، "چور"، مشمولہ زرد چہرے، افسانوی مجموعہ، طبع اول اردو محل، معظم مارکیٹ حیدر آباد دکن، 1945ء، ص40

9۔ ایضاً، ص47

10۔ ابراہیم جلیس، "ریلیف فنڈ" مشمولہ زرد چہرے، افسانوی مجموعہ، طبع اول اردو محل، معظم مارکیٹ حیدر آباد دکن، 1945ء، ص110

Refrences

1. Muhammad Ashrraf Kamal, Tanqeedi Theory oar Istlahat, Mishal Publications, Faisalabad, 2016,Pg106
2. Muhammad Rauf,Dr, Urdu Ghazal ma baad no Abadiyati Mutalia, Rohi Books, Faisalabad, 2015, Pg 118
3. Idid
4. Nasir Abbas Nayyar, Ma Abbad No Abadyat Urdu k Tanazar Mai, Oxford University Press, Karachi, 2013,Pg10
5. Ibrahim Jalees, Chalees Karor Bhikari, Azam Press, Nafees Academy, Haiderabad, Dakkan, 1945, Pg10
6. Ibid, Pg29
7. Ibid, Pg 53
8. Ibrahim Jalees, Chor, Mashmola Zard Chahry, Afsanvi Majmoa, Taba Awal, Urdu Mahal, Moazam Market Haiderabad, Dakkan,, 1945,Pg40
9. Ibid, Pg47
10. Ibrahin Jalees, Relief Fund, MAshmola Zard Chahry, Afsanvi Majmoa, Tabba Awal Urdu Mahal, Moazam Market, Haiderabad, Dakkan, 1945, Pg 110